منیر نیازی کی غزل میں کرب کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر ولی محمد لیکچرار شعبہ اردو جامعہ پشاور

ڈاکٹر محمد اویس قرنی لیکچرار یونیورسٹی کالج فار بوائز جامعہ پشاور

ڈاکٹر ندیم حسن اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی آف چترال

Abstract:

Munir Niazi was a key figure in the history of Urdu poetry after the partition of the subcontinent. He migrated from India. In his Ghazal he elaborates the eternal and contemporary problems of the humans. The Anguish in his Ghazal is a basic thought that he explains in different ways and point of views through his literary style. In this research paper the researchers have explained the different shades of anguish and its political, cultural and philosophical stimulants in the Ghazal of Munir Niazi.

Key Words: Munir Niazi, Ghazal , Anguish, Migration, Scepticism, Question, politics, society

کلیدی الفاظ: منیر نیازی، غزل، کرب، ہجرت، تشکیک، سوال، سیاست، سماج

اردو غزل کا مزاج بڑا داخلی اور ایمائی رہا ہے۔ اردو نظم کے برعکس غزل میں انسان کے باطن کا کامیاب اظہار ہوا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غزل نے انسان کے خارج کے ساتھ معنوی رشتہ قائم نہیں رکھا لیکن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ غزل میں بالعموم خارج کا عکس بھی باطنی اور روحانی سرچشموں سے فیضیاب ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مخصوص قسم کی اشاریت اور ایمائیت نے غزل کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ انسان کے داخل میں موجود دنیا تک رسائی حاصل کر سکے۔ منیر نیازی کا تخلیقی مزاج خارج کی بجائے داخل سے روشنی اور حرارت کشید کرنے کی کوشش کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی غزلوں میں انہوں نے داخل کے ساتھ روحانی رابطہ استوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ منیر نیازی کی غزل کا داخلی اور روحانی حوالوں سے تجزیہ کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں منیر نیازی کے تخلیقی شعور اور فنکارانہ اور خلاقانہ مزاج کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ان کے تخلیقی مزاج کا ایک اہم حوالہ ان کی غزلوں میں موجود کرب کی وہ پرچھائیاں ہیں جس کی روشنی میں نہ صرف شاعر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ ان کی فکر کے واضح دھاروں کا تعین بھی ممکن ہے۔

منیر نیازی کا شمار ایسے شعرا میں ہوتا ہے جو کسی ازم یا نظریے کا پرچار کرنے کی بجائے اپنے باطن میں اتر کر انکشاف ذات کے عمل سے دوچار ہوئے۔ اشفاق احمد کے بقول منیر نیازی پر کوئی مخصوص لیبل اگر چسپاں کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف ان کے شاعر ہونے کا ہے۔ ان کے خیال میں وہ نہ تو جمہور کا شاعر ہے، نہ عوام کا، نہ قصیدہ گو ہے نہ سرکاری شاعر، نہ مصور فطرت ہے نہ شاعر انقلاب۔ وہ بس شاعر ہے خالی شاعر اس کے سوا کچھ نہیں۔(۱) سکہ رائج الوقت خارجی رجحانات اور نظریات سے فنکارانہ طور پر کٹنے اور اپنے داخل کی دنیا سے جڑنے کا انہیں یہ فائدہ ملا کہ انہیں اپنے طرزِ احساس کے معاملے میں کسی گمراہی کا شکار نہیں ہونا پڑا ۔اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی ازم یا نظریہ یا سکہ رائج الوقت افکار اور رجحانات کسی شاعر کی تخلیقی قوت کو مخصوص فکری نہج اور راستے سے ہمکنار کرتے ہیں لیکن یہ اکثر و بیشتر انسان کی ذاتی اپج کے راستے میں ایسے بتوں کی صورت بھی اختیار کر سکتے ہیں، جن سے مبنی بر صداقت بغاوت بھی ناممکن ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں شاعر کی فکر جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کی تخلیقی صلاحیتیں سکہ رائج الوقت افکار اور رجحانات کے تند و تیز ریلے میں بہہ جاتی ہیں اور وہ اپنی ذات کا سراغ لگانے میں مکمل طور پر ناکام رہ جاتا ہے۔ منیر نیازی کا کمال یہ ہے کہ وہ اس قسم کی مقدس گمراہی کا شکار نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس انہیں بقول مجید امجد اس فضا کی تشکیل میں مددملی جو ان کی زندگی کے واقعات، ذاتی محسوسات اور ان کی شخصیت کی طبعی افتاد سے جنم لیتی ہے۔(۲)

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ منیر نیازی کی شاعری عصری شعور سے مکمل طور پر خالی ہے۔ انتظار حسین صاحب نے تو ان کو اپنے عہد کی شاعری کرنے والوں سے زیادہ عہد کا شاعر شمار کیا ہے۔(۳) لیکن اس ضمن میں ایک بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ منیر نیازی میں خارج کو داخل کے رنگ میں رنگنے کی غیر معمولی صلاحیت موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خارج میں رونما ہونے والے واقعات، حالات اور خیالات جسے روح عصر کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، منیر نیازی کی شاعری میں ان کی ذات کے کینوس پر جلوہ گر ہوتی ہیں اور وہ ان کی ذات کا محض ایک پرتو بن کر سامنے آتی ہیں۔ جو انسان کے ماضی اور اس کے لاشعور کے ساتھ گہرا رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بقول شمیم حنفی ان کا شعور جس دنیا کے گرد اپنے جال پھیلاتا ہے اس پر کسی ایک زمانے یا ایک شخص کے نام کی تختی لگی ہوئی نہیں ہے۔(۴) وہ اپنی ذات کے پلیٹ فارم سے زندگی کے مسائل کو دیکھتے اور تاریخ کو پرکھتے ہیں۔(۵)

منیر نیازی کی شاعری میں کرب کی موجودگی کے پس منظر میں ان کی اپنی زندگی کی تلخیوں اور مسائل کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ان کی پہلی بیوی کی موت، دوسری شادی، بے اولادی، تنہائی، ہجرت، ناقدری کا احساس اور مفکرانہ اور دانشورانہ سطح پر تنہائی، خارجی ماحول میں خوف اور دہشت کے عناصر، عدم تحفظ کا احساس الغرض زندگی کی کئی ایک خلائیں، تاریکیاں، حوادث اور مسائل ایسے تھے جو کسی بھی حساس انسان کے اعصاب کو جھنجھوڑ سکتے ہیں اور اسے پریشانیوں سے دوچار کر سکتے ہیں۔ منیر نیازی نے

اپنے دور کو جاگتی آنکھوں دیکھا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے المیوں کو اپنی روح کی اتھاہ گہرائیوں تک لے گئے۔ ڈاکٹر سعادت سعید کی یہ رائے بہت حد تک درست ہے کہ منیر نیازی ذاتی اور داخلی بصیرت اور ویژن کے شاعر ہیں۔(۶)

تخلیقی عمل کی کیفیت و ماہیت خارجی کی بجائے داخلی ہوتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خارج کی دنیا ایک ایسی دنیا ہے جس کا باطن کی دنیا کے ساتھ کوئی رشتہ ناتا نہیں ہوتا۔ یہ تقسیم دراصل تخلیق کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش ہے اور اس حقیقت کو بھی کہ ہر تخلیق کار خارج سے اپنے ظرف کے مطابق اثر قبول کرتا ہے اور اسے عمل تطہیر سے گزار کر اسے اپنی ذات کے خلوت خانوں تک پہنچانے کا سامان مہیا کرتا ہے۔ فرق صرف ظرف اور نفوذ کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔ مثلاً مستی کو اخلاقی اعتبار سے منفی عمل گردانا جاسکتا ہے لیکن عظیم ذہن، کشادہ روح اور گہرا ظرف اس کے ذریعے انکشاف ذات کے عمل سے بھی دوچار ہو سکتا ہے۔ غنی خان بابا اپنی ایک نظم میں رقمطراز ہیں۔

وے خہ دہ مستی خہ دہ خو زڑہ پاک لکہ آئینہ غواڑی

دادریاب ہضمول د سمندر ھمرہ سینہ غواڑی(۷)

ترجمہ: مستی یا خمار اچھی چیز ہے۔ لیکن اس کے لیے آئینے جیسے پاک دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس دریا کو ہضم کرنے کے لیے سمندر جتنی کشادہ ظرفی کی ضرورت ہے۔

یہی معاملہ کرب کا بھی ہے۔ انسانی تاریخ کی عظیم شخصیتیں مسلسل کرب اور الم سے دوچار رہی ہیں۔ کرب ایک معمولی انسان کے لیے نقصان دہ چیز بن کر اس کی شخصیت پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے جبکہ اس کے برعکس اعلیٰ تخلیق کار اس سے وہ توانائی حاصل کرتے ہیں جس کے نتیجے میں حیات و کائنات کے کئی ایک سربستہ گوشے ان کی نظر کے سامنے آئینے کی طرح بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ خلیل جبران اپنی کتاب The Prophet میں شامل اپنی ایک نظم اس حقیقت کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ جس میں پیغمبر ایک عورت کو نصیحت کرتے ہیں۔

> ''تمہارا الم اس خول کے ٹوٹنے کی اذیت ہے جس میں تمہارا ادراک بند رہتا ہے۔ جس طرح پھل کا سخت چھلکا ٹوٹتا ہے کہ اس کا مغز سورج کی روشنی اور حرارت سے براہِ راست مستفید ہو سکے۔''(۸)

خلیل جبران کی اس نظم میں پیغمبر عورت کو مشورہ دیتا ہے کہ الم روحانی طبیب کی طرف سے مجوزہ دوا ہے۔ لہٰذا تمہیں اپنے طبیب پر بھروسا کر کے اس دوا کو سکون و اطمینان سے پینا چاہیے۔ خلیل جبران نے کہا ہے کہ کرب ادراک کے نت نئے دروازے کھولتا ہے۔ ان کی اس رائے میں یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ فہم وادراک بھی کرب کی نت نئی تہیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ منیر کی غزلوں میں یہ دونوں صورتیں موجود تھیں۔ ان کی غزلوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ان کے باطن میں ایک ناآسودہ روح موجود تھی جس کا ایک بڑا حوالہ کرب کی صورت میں سامنے آ کر انسانی ذات کی اتھاہ گہرائیوں سے خیال کے موتی چن کر لاتا ہے۔

منیر نیازی کی غزل میں فہم وادراک کرب کا نتیجہ بھی ہے اور کرب ان کے فہم وادراک کو تازیانے لگانے کا باعث بھی بنتا ہے۔ ان کی اپنی زندگی المیوں سے بھرپور تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مجید امجد کے خیال میں اس کے احساسات کسی عالم بالا کی چیزیں نہیں ہیں بلکہ اس کی اپنی زندگی کی سطح پر کھیلنے والی لہریں ہیں۔(۹) ڈاکٹر صغرا صدف نے ان کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ قلمبند کیا ہے۔ ان کے بقول میں نے ان کے گھر میں کسی بات پر قہقہہ لگایا تو منیر نیازی نے ایسے حیرانگی سے مجھے دیکھا جیسے کوئی فوتگی والے گھر میں ہنس رہا ہو۔ میں فوراً خاموش ہو گئی تو اپنی بیگم کو پر درد آواز میں کہا دیکھو ہمارے گھر میں قہقہہ کتنا اچھا لگتا ہے۔(۱۰)

منیر نیازی کے باطن میں دکھ بھری داستانیں تحریر ہوتی رہیں۔ باطن میں موجود کرب کی یہ سلگتی ہوئی آگ مختلف طریقوں سے ان کی غزل میں جھلکتی اور چھلکتی رہتی ہے۔ لیکن وہ باطن کی دنیا میں طویل مسافتیں طے کر کے لفظ کا دامن تھامتی ہے۔ ایسی صورت میں ان کی شاعری میں یہ بھڑکتے ہوئے ایسے سلگتے ہوئے انگاروں کی صورت میں ڈھل کر مختلف شعرپاروں میں سامنے آتے رہتے ہیں۔ مثلاً

زمانے کے لب پر زمانے کی باتیں

مری دکھ بھری داستاں میرے دل میں(۱۱)

جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیرؔ

غم سے پتھر ہو گیا لیکن کبھی رویا نہیں(۱۲)

کچھ تو اس کے اپنے دل کا درد بھی شامل ہی تھا

کچھ نشے کی لہر بھی اس کو سریلا کر گئی(۱۳)

عادت ہی بنالی ہے تم نے تو منیرؔ اپنی

جس شہر میں بھی رہنا اکتائے ہوئے رہنا(۱۴)

یہی سوچا مسلسل غم میں رہ کر

ہمیں غم سے رہا ہونا نہیں ہے(۱۵)

دل میں موجود دکھ بھری یہ داستان جو آفاقی لے کے ساتھ ان کی غزل میں موجود ہے اور جس کے پس منظر میں اتنے شدید ایسے ہیں جو اسے پتھر کا بنا سکتی ہے۔ جس نے ہر شہر میں شاعر کے لیے اکتاہٹ پیدا کرنے کا سامان مہیا کیا ہے اور جس کے سامنے شاعر بحیثیت فرد مجبور اور بے بس ہے۔ یہ تمام حوالے کرب کی ایسی کیفیات سامنے لاتے ہیں جن کو خارج سے خارج کرنا یقیناً زیادتی ہو گی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہر اکتاہٹ کا باعث کیوں بننے لگے ہیں اور غم کا فرد کے ساتھ یہ اٹوٹ رشتہ کیسے قائم ہوا ہے۔ اس کے پس منظر میں مملکت خداداد کی دہائیوں کی تاریخ ہے جس میں فرد کے لیے سکون کا سانس لینا محال تھا۔ منیر نیازی نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ پاکستان نے ہمیں کیا دیا ہے۔ صبح ناشتہ کریں تو دوپہر کے کھانے کی کوئی ضمانت نہیں اور دوپہر کو کھالیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ شام کا کھانا کہاں سے آئے گا۔(۱۶) ایسی صورتحال میں منیر نیازی کی غزل جارحانہ انداز اختیار کر کے انقلابی بننے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ عصر کے آشوب میں خود کو جذب کرتی ہے۔ وہ نعرہ انقلاب نہیں بنتی بلکہ بے بسی کی صدا بن کر خود کو وقت کی ستم ظریفیوں کے حوالے کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں انقلاب کا طنطنہ نہیں ہے بلکہ بے بسی کے عالم میں خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنے کا رجحان موجود ہے۔ ظلم و جبر کے تند و تیز ریلے کے سامنے خود سپردگی بھی توانا احتجاج سے کم نہیں ہے۔ یہ خود سپردگی منافقانہ سمجھوتہ نہیں بلکہ اپنی ذات اور فکر کی گرہیں ٹٹولنے اور انہیں مزید مضبوط کرنے کا عمل ہے۔ اشعار ملاحظہ کیجیے۔

کچھ اور دل گداز ہوں اس شہر سنگ میں

کچھ اور پر ملال، ہوائے ملال ہو(۱۷)

جو ہوا ہونا ہی تھا سو ہو گیا ہے دوستو

داغ اس عہد ستم کا دل سے دھونا ہے ابھی(۱۸)

شہر ستم کے داغ دھونے اور مزید پر ملال ہونے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ فکر کی دبی ہوئی یہ چنگاریاں انقلابی نعروں میں گم ہونے کی بجائے مزید تیقن اور حدت کے ساتھ ابھریں گی۔ یہی وجہ ہے کہ منیر نیازی اپنے افکار سے رجائیت پسندانہ توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں۔

منیرؔ افکار تیرے جو یہاں برباد پھرتے ہیں

کسی آتے سمے کے شہر کی بنیاد بھی ہوں گے (۱۹)

افکار میں تعمیر کی یہ توانائی مفت میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ مدتوں کے کرب و گداز کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ منیر نیازی اور دیگر ایسے لکھاری اور لاکھوں کی تعداد میں افراد تخلیق پاکستان کے وقت جن تمناؤں اور خوابوں کے ساتھ ہندوستان چھوڑ کر پاکستان آئے تو انہیں بہت جلد یہ احساس ہوا کہ وہ سراب پر دھوکا کھا گئے تھے۔ ایسی صورتحال میں ان کے خواب چکنا چور تو ہوئے لیکن ساتھ ساتھ ان کو یہ احساس بھی ہوا کہ ان میں سے اکثریت مملکت خداداد کے ایسے شہری بن گئے ہیں جن کی تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی حوالوں سے جڑیں مضبوط ہونے کی بجائے مزید کمزور ہو گئی ہیں۔ اپنی مٹی سے دوری اور اجنبی سرزمین میں کم مائیگی کا احساس نہ صرف فطری تھا بلکہ ایک مخصوص سیاسی انداز سے اس احساس کو بڑھاوا دینے کی بھی کوشش کی گئی۔ منیر کی غزل اس سیاسی ظلم و جبر کی داستان سناتی ہے۔

میں بہت کمزور تھا اس ملک میں ہجرت کے بعد

پر مجھے اس ملک میں کمزور تر اس نے کیا

شہر میں وہ معتبر میری گواہی سے ہوا

پھر مجھے اس شہر میں نامعتبر اس نے کیا (۲۰)

مملکت خداداد پر اعتبار لاکھوں مہاجرین کی ہجرت سے ممکن ہوا لیکن وہی مہاجرین اسی سلوک کے مستحق ٹھہرے جو عموماً اجنبیوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔

منیر نیازی کی غزل میں کرب کا ایک نمایاں حوالہ تہذیبی آشوب بھی ہے۔ ہر انسان کی اپنی جنم بھومی کے ساتھ محبت فطری ہے۔ جڑوں سے اکھڑنے کا احساس انسان کے ثقافتی وجود کو متزلزل کر دیتا ہے۔ منیر نیازی کی غزل میں اس طرف کرب انگیز اشارے ملتے ہیں۔

واپس نہ جاؤ وہاں کہ ترے شہر میں منیرؔ

جو جس جگہ پہ تھا وہ وہاں پر نہیں رہا(۲۱)

تقسیم ہند، فسادات، ہجرت اور پاکستانی تاریخ میں غیر یقینی صورتحال وہ خارجی عناصر ہیں جنہوں نے اس نسل کے شعرا میں سے بعض کو انقلابی بنادیا تو بعض کو اپنی ذات کی پہنائیوں میں مستغرق ہونے اور انسان اور اس کی ازلی وابدی مسائل کی طرف ان کی توجہ پھیرنے کی کوشش کی۔ منیر نیازی اس حوالے سے بتاتے ہیں کہ:

''عجیب بستیاں تھیں جن کی یاد نے ہمیں شاعر بنادیا۔ چھوڑے ہوئے گھروں کی یاد نے کبھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔ ہجرت میرا اور ناصر کا مشترک تجربہ تھی۔ ایک پرانے گھر سے بچھڑنے کا ملال اور نیا گھر نہ ملنے کا غم۔''(۲۲)

ایسی صورت میں مسلسل سفر فرد کی زندگی میں کرب کی تشکیل کا باعث بنتا ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے منیر نیازی کی زندگی فکری اور جذباتی سطح پر جد وجہد مسلسل سے عبارت قرار دی ہے۔ یعنی ایک دریا کے بعد دوسرے دریا کا سامنا ان کے طرزِ زندگی کا حصہ تھا۔(۲۳) یہی وجہ ہے کہ ایک ایسے سفر کا حوالہ ان کی غزل میں موجود ہے، جو اضطراب سے بھرپور ہے۔ جس میں منزل کی نشاندہی ناممکن ہے۔ جس میں ایک قیامت کے بعد ایک نئی قیامت کی تیاریوں کا سلسلہ جاری ہے اور ایک دھندلی منزل پر پہنچنے کے بعد یہ جان لیوا احساس موجود ہے کہ جس کو منزل سے تعبیر کیا جارہا تھا وہ تو دراصل منزل ہی نہیں تھی۔ فیض نے بھی ''صبح آزادی'' میں اس تلخ حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی تھی۔ فیض اور منیر نیازی میں فرق یہ ہے کہ فیض کا ذہنی سفر بڑے واضح انداز میں خارج کے ساتھ جڑا ہوا ہے جبکہ اس کے برعکس منیر نیازی کا ذہنی اور تخلیقی سفر ایسی دھند سے عبارت ہے جس میں خارج کے اثرات ظاہری سطح پر دکھائی نہیں دیتے۔ فیض بڑی آسانی سے داغ داغ اجالا کہہ کر حالات کو قطعی رنگ دے کر دستبردار ہو جاتے ہیں جبکہ اس کے برعکس منیر نیازی کا سفر داغ داغ اجالے سے شروع ہوتا ہے تو ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اس داغ داغ اجالے میں فرد کی بے بسی، بے کسی اور حرماں نصیبی پر خون کے آنسو بہاتے ہیں اور فرد کے پہلو میں بیٹھ کر اسے اپنے حزن واضطراب میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درج ذیل مثالیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

بس ایک ہجرت دائم گھروں زمینوں سے

نشان مرکز دل اضطراب میں نہ ملا(۲۴)

اک اور دریا کا سامنا تھا منیرؔ مجھ کو

میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا(۲۵)

تھکن سفر کی بدن شل سا کر گئی ہے منیرؔ

برا کیا جو سفر میں قیام کر لیتا(۲۶)

ابھی مجھے اک دشت صدا کی ویرانی سے گزرنا ہے

ایک مسافت ختم ہوئی ہے، ایک سفر ابھی کرنا ہے(۲۷)

مسلسل اور بے معنی سفر کا یہ احساس جب شاعر کے اعصاب شل کر دیتا ہے تو خواب ہی اس کا سہارا بنتے ہیں۔ منیر کی غزل میں خواب کرب سے فرار کا ذریعہ اور وسیلہ ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ فرار کا یہ وسیلہ بھی کرب ہی کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔ منیر کا سفر صرف خارج میں اپنے گھروں سے اجڑنے کے نتیجے میں نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری میں روحانی واردات کی دنیا میں بھی مسلسل سفر کی حقیقت سامنے آتی ہے۔ بحیثیت فرد اسے اس بات کا بھی احساس ہے کہ آسودہ اور ناآسودہ دونوں معاشروں میں انسانی زندگی کا حاصل خلا کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آدم جس دن سے جنت سے نکالا گیا ہے، اسی دن سے وہ کرب کا اثاثہ لیے پھرتا ہے۔ وہ مادے اور موت کی جال کا اسیر بن کر رہ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فنا کا احساس ازل سے انسان کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے شاعر کے ہاں فنا کا حوالہ کسی نہ کسی حوالے سے مختلف ہے۔ اس کی تعبیر مختلف ہو سکتی ہے۔ شام زندگی کو صبح دوامِ زندگی کہہ کر یا اسے ماندگی کا وقفہ قرار دے کر جان چھڑائی جا سکتی ہے لیکن فلسفیانہ بنیاد پر فنا کا احساس انسان کی امنگوں اور آرزوؤں کے سامنے کھڑا ہو کر بوریت اور ناآسودگی کا نا ختم ہونے والا سلسلہ پیدا کر تا رہتا ہے۔ منیر نیازی کی غزل ان تلخ حقائق سے آنکھیں بند نہیں کرتیں بلکہ زوال اور موت سے سرگوشیاں کرنے کا ہنر اور حوصلہ رکھتی ہے۔

تھکن سے راہ میں چلنا محال بھی ہے مجھے

کمال پر بھی تھا میں ہی، زوال بھی ہے مجھے

یہ میرے گرد تماشا ہے آنکھ کھلنے تک

میں خواب میں تو ہوں لیکن خیال بھی ہے مجھے

(۲۸)

منیر کی غزل کا مطالعہ قاری کو اس نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ ان کے حزن و ملال نے ان کے لہجے میں جو شکستگی پیدا کی ہے اسی سے ان کے بے پناہ حوصلے کا تعین ہوتا ہے۔ تلخ حقائق کے سامنے خود کو ایک بے بس تنکے کے روپ میں پیش کرنا اذیت ناک عمل ضرور ہے لیکن حوصلہ شکن عمل نہیں ہے۔ اس کربناکی اور اذیت ناکی کو منیر جادوئی قلم کے ذریعے خواب کا سہارا لے کر شیریں بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ منیرؔ کا کرب جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ خارج اور داخل دونوں سے عبارت ہے۔ یہ ایک ذہین انسان کا کرب ہے جو گردوپیش کے مسائل کو بھی محسوس کر کے دل میں بساتا ہے، اور اس کی نظر سے ازلی اور ابدی انسان کی محرومیاں بھی ڈھکی چھپی نہیں رہتیں۔

خواب جو نہ بن جاتے نیند کے جہانوں میں

یہ عذاب دنیا کے دل میں گھر بنا لیتے(۲۹)

ہیں خواب قصہ ہائے فراق و وصال سب

میرے اور اس کے غم کا فسانہ بھی خواب ہے(۳۰)

شاعری منیرؔ اپنی باغ ہے اجاڑ اندر

میں نے اک حقیقت کو وہم میں چھپا دیا(۳۱)

راستے ہی راستے تھے آخرِ منزل تلک

رنج کتنے اک خوشی کا خواب آنے میں لگے(۳۲)

حقیقتوں کو خواب بنانے کے اس عمل اور پھر خوابوں میں خوابوں کی ایک نئی دنیا آباد کرنے کی کوشش منیر نیازی کی غزل کا ایسا حوالہ ہے، جس نے اس کی فکری کائنات کو حزن آمیز اور کرب انگیز عناصر سے بھر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد علی صدیقی انہیں نیرنگیٔ زماں پر حزن و ملال کا شاعر سمجھتے ہیں۔(۳۳) یہ حزن و ملال ان کی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں دکھوں اور المیوں کے سیلاب کا نتیجہ ہے جس سے اس خطے سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو دوچار ہونا پڑا۔ دہشت، خوف، انتشار، بدنظمی اور بے یقینی کی اس فضا کو

منیر کی غزل نے اپنے باطن میں جذب کر کے اسے خواب نما صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر فتح محمد ملک رقمطراز ہیں:

"کلیات منیر کی غزلیں اور نظمیں پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری یورش آلام پر حیران و مضطرب ہونے کے ساتھ ساتھ جہان ظلم پر خواب بن دینے کا کام ہے۔" (۳۴)

منیر نیازی کی غزل میں فلسفیانہ احتجاج کے نتیجے میں بھی کرب انگیز فضا نے جنم لیا ہے۔ سنجیدہ دماغ جب زندگی کے حوالے سے آزادانہ سوچتا ہے تو تشکیک اور سوال اس کے لازمی نتائج ہوا کرتے ہیں۔ غالب کی غزل کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ دیکھا جائے تو غالب کی فکری گہرائی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ انہوں نے آزادانہ انداز سے زندگی کے مسائل کے حوالے سے سوچنے کی ہمت کی ہے۔ ان کی ذہانت جب زندگی کا مطالعہ حکیمانہ انداز سے کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں حیات و کائنات کے اہم حقائق سے پردہ کشائی کا موقع ملتا ہے۔ غالب نے فرمایا تھا۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند

گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں (۳۵)

منیر نیازی کا خلاقانہ ذہن اور داخلی وژن بھی مذہبی اعتبار سے مروجہ اور مسلمہ حقائق کے معاملے میں فکری احتجاج کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً ذرا یہ شعر ملاحظہ کیجیے۔

جرم آدم نے کیا اور نسل آدم کو سزا

کاٹتا ہوں زندگی بھر میں نے جو بویا نہیں (۳۶)

اس فکری اور فلسفیانہ احتجاج کے پس منظر میں بھی زندہ ذہن اور حساس دل کے سامنے وہ چبھتے ہوئے سوالات ہیں، جن کے تشفی بخش جوابات نہ ملنے کی وجہ سے دل و دماغ حزن و کرب کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ ذیل اشعار کا مطالعہ بھی منیر نیازی کی غزل میں تشکیک اور سوال اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے کرب کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

یقین کس لیے اس پر سے اٹھ گیا ہے منیرؔ

تمہارے سر پہ یہ شک کا عذاب کیوں آیا(۳۷)

کسی کو اپنے عمل کا حساب کیا دیتے

سوال سارے غلط تھے جواب کیا دیتے(۳۸)

دوسرے رخ کا پتہ جس کو تھا وہ خاموش تھا

وہ کہانی بس اسی رخ سے بیاں ہوتی گئی(۳۹)

ہے کہیں محصور شاید وہ حقیقت عہد کی

جس کا رستہ دیکھتے اتنا زمانہ ہو گیا(۴۰)

خیال جس کا تھا مجھے خیال میں ملا مجھے

سوال کا جواب بھی سوال میں ملا مجھے (۴۱)

ہے مسکن خوباں کہ کوئی عالم ہو ہے

موجود ہے کیا سایۂ دیوار سے آگے (۴۲)

افق کو افق سے ملا دینے والے

یہ رستے ہیں کتنے تھکا دینے والے(۴۳)

ایک محراب آسماں کی درمیان بام و در

اک دیے کی لو نمایاں روزن دیوار سے(۴۴)

شک کا عذاب، غلط سوال، سوال کا جواب بھی سوال، ایک رخ سے بیان کی گئی کہانی، حقیقت سے ہمکنار ہونے کا انتظار، افق کو افق سے ملا دینے کی لاحاصل اور تھکا دینے والی کاوشیں، سایہ دیوار سے آگے دیکھنے کی خواہش، بام و در کے درمیاں کا آسمان یا روزن دیوار سے ایک دیے کی لو کا نمایاں ہونا (جو محدود سطح پر معلوم حقائق کی عکاسی کرتی ہے)۔۔۔یہ تمام اشارے جس فضا کی

تشکیل کرتے ہیں، اس کا نمایاں حوالہ کرب ہی ہو سکتا ہے۔ جس کی جڑیں انسانی ذہانت میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ انسان کی یہی ذہانت اور گرد و پیش کے تلخ تجربات اسے فنا کے احساس سے دوچار کرتے ہیں۔ فنا کا احساس کرب انگیز احساسات میں سے ایک ہے اور اس احساس میں امیر و غریب، گورے اور کالے سب کے سب برابر ہیں۔ منیر نیازی کی غزل میں فنا کا احساس بھی کرب کی تشکیل کرتا نظر آتا ہے۔ جو فرد کو وسیع کائنات میں بے معنی نقطے کا احساس دلاتا ہے۔ زندگی کی لایعنیت سوچتے دماغ کے لیے باعث کرب ہے۔

بنیاد کچھ نہیں ہے کسی شے کی اس جگہ

اس شہر میں بہائے سکندر بھی کچھ نہیں(۴۵)

کتاب عمر کا اک اور باب ختم ہوا

شباب ختم ہوا اک عذاب ختم ہوا(۴۶)

میں تو منیر آئینے میں خود کو تک کر حیران ہوا

یہ چہرہ کچھ اور طرح تھا پہلے کسی زمانے میں(۴۷)

عمر کے ساتھ عجیب سا بن جاتا ہے آدمی

حالت دیکھ کے دکھ ہوا، آج اس پری جمال کی(۴۸)

معدوم ہوتی جاتی ہوئی شے ہے یہ جہاں

ہر چیز اس کی جیسے فنا کی مثال ہو(۴۹)

شجر کے سائے میں موت دیکھو

ثمر میں اس کے فنا کی دہشت(۵۰)

یہ جبر مرگِ مسلسل ہی زندگی ہے منیر

جہاں میں اس پہ کبھی اختیار کس کا تھا(۵۱)

دل کی خلش تو ساتھ رہے گی تمام عمر

دریائے غم کے پار اتر جائیں ہم تو کیا(۵۲)

معنی نہیں منیرؔ کسی کام میں یہاں

طاعت کریں تو کیا ہے، بغاوت کریں تو کیا(۵۳)

یہ چند اشعار بطور مثال درج کیے گئے ہیں۔ منیر کی غزل کی روح فنائیت میں پوشیدہ ہے۔ منیر معنوی طور پر ایک ایسی دنیا میں سانس لیتے ہیں جہاں فن، ہنر اور مادی ترقی بے معنی ہیں۔ جس میں شباب اور عذاب میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ شاعری میں شباب کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے لیکن منیر کی نظر جب ازلی اور ابدی حقائق پر ٹھہرتی ہے تو اس کرب انگیز احساس سے دوچار ہوتی ہے کہ شباب کا لمحہ لمحہ بھی موت کے عذاب سے دوچار ہے۔ مرگ مسلسل کے احساس سے دوچار ہمارا یہ شاعر محسوس کرتا ہے کہ کبر تونگر اور بہائے سکندر بے معنی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو غزل میں یہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں۔ گور سکندر اور قبر دارا کی معدوم قبروں کا ذکر آتش نے بھی کیا ہے۔ میر اور غالب کے ہاں بھی اس قبیل کے اشعار فراوانی سے ملتے ہیں۔ تصوف کا تو موضوع ہی اس قسم کے خیالات ہیں۔ غالب کے ہاں دنیا بازیچہ اطفال سے زیادہ معنی نہیں رکھتی اور اس نقطہ نظر کے تحت جب وہ زندگی بارے سوچتے ہیں تو اورنگ سلیماں ان کے نزدیک کھیل اور اعجاز مسیحا محض ایک بات بن کر رہ جاتی ہے۔ یہی حال میرؔ کا بھی ہے لیکن منیر کی انفرادیت اس میں ہے کہ انہوں نے حیات و ممات کی معلوم کڑیوں کے درمیان ان کڑیوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں جن کی طرف دوسروں کی نظر نہیں گئی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ منیر کو غالب، میر، آتش، اصغر یا دیگر شعرا پر فوقیت دی جاسکتی ہے لیکن یہ بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس روایتی سوچ کو منیر نے نت نئے زاویوں سے دیکھنے یا نئے انداز سے پیش کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ دیگر کلاسیکی شعرا وقت کے جبر کے خلاف بات کرتے ہیں تو وہ اپنے عہد کے پروردہ بھی ہوتے ہیں اور اس کے سامنے مجبور بھی ہوتے ہیں (اگرچہ علامہ غالب دہلوی کا معاملہ اس معاملے میں کچھ مختلف ضرور ہے) لیکن منیر نئے عہد کا غزل گو شاعر ہے۔ جس میں زندگی کے حوالے سے کھل کر بات کرنے کے انداز سامنے آئے۔ جب ایمان کم از کم فکر اور تخلیق کی دنیا میں سوچتے دماغ کا مسئلہ نہیں رہا۔ منیر کی تشکیک جدید عہد کی پیداوار ہے۔ اس کے لہجے کے تعین میں جدید فلسفے نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ کلاسیکی سوچ کے ساتھ جڑے ہوئے ضرور ہیں لیکن نئے عہد کے بندھنوں میں بھی جڑے ہوئے ہیں۔ دریائے غم کے پار اترنے کا عمل ہو، اطاعت ہو یا بغاوت۔۔ دیکھا جائے تو انسانی تہذیب اور سیاسی جدوجہد کی تمام تاریخ ان الفاظ سے عبارت ہے لیکن جب یہ بھی بے معنی بن جائیں تو انسان کے پاس جو بچے گا وہ کرب کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ الغرض منیر نیازی کی شاعری میں کرب کے مآخذ ذاتی

اور انفرادی نوعیت کے بھی ہیں۔روایتی رنگ میں بھی ہیں۔اس کرب کی فلسفیانہ بنیادیں بھی ہیں۔رومانوی حوالے بھی۔زندگی کی بے ثباتی بھی۔خارجی اور سیاسی، سماجی اور ثقافتی مآخذات بھی اور کچھ عمومی حوالے بھی۔

حوالہ جات:

۱۔اشفاق احمد، سرکوہسار، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴، اکادمی ادبیات اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۰۹۔ص،۲۱

۲۔مجید امجد، منیر نیازی کی شاعری، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ص،۱۱

۳۔شمیم حنفی، ایک آفت زدہ بستی کی دیومالا، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ص، ۵۴

۴۔ایضاً۔ص،۵۶

۵۔ایضاً۔ص،۵۵

۶۔سعادت سعید، ڈاکٹر، منیر نیازی کی شاعری یارازوں بھرا طلسم کدہ، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ص،۹۵

۷۔غنی خان، د غنی کلیات، د قومونو او قبایلو ریاست، کابل، افغانستان، ۱۹۸۵، ص،۶۱۶

۸۔خلیل جبران، النبی، آئینہ ادب لاہور، ۱۹۸۷۔ص،۹۱

۹۔مجید امجد، منیر نیازی کی شاعری، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ص،۱۱

۱۰۔صغرا صدف، ڈاکٹر، شہر جمال کا یوسف منیر نیازی، ایضاً۔ص،۲۷۸

۱۱۔منیر نیازی، کلیات منیر، ماورا بکس لاہور، اگست ۲۰۰۵۔ص،۵۱

۱۲۔ایضاً۔ص،۲۴۶

۱۳۔ایضاً۔ص،۳۱۹

۱۴۔ایضاً۔ص،۴۹۹

۱۵۔ ایضاً۔ ص،۶۸۰

۱۶۔ ظفر اقبال، منیر نیازی شخص و شاعر۔ مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ ص، ۳۲

۱۷۔ منیر نیازی، کلیات منیر۔ ص،۴۵۶

۱۸۔ ایضاً۔ ص،۴۹۳

۱۹۔ ایضاً۔ ص،۶۲۳

۲۰۔ ایضاً۔ ص،۵۱۵

۲۱۔ ایضاً۔ ص، ۲۳۷

۲۲۔ فتح محمد ملک، منیر نیازی کے خواب و خیال، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ ص،۸۷

۲۳۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، منیر نیازی کی شاعری یا رازوں کا طلسم کدہ، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ ص، ۹۳

۲۴۔ منیر نیازی، کلیات منیر۔ ص، ۳۲۷

۲۵۔ ایضاً۔ ص، ۳۳۱

۲۶۔ ایضاً۔ ص، ۳۹۸

۲۷۔ ایضاً۔ ص، ۴۱۰

۲۸۔ ایضاً۔ ص، ۴۴۷

۲۹۔ ایضاً۔ ص، ۵۷۶

۳۰۔ ایضاً۔ ص، ۵۴۷

۳۱۔ ایضاً۔ ص، ۶۴۱

۳۲۔ ایضاً۔ ص،۶۱۶

۳۳۔ محمد علی صدیقی،ڈاکٹر، منیر نیازی۔ نیرنگی زمانہ پر حزن وملال کا شاعر، مشمولہ، سہ ماہی ادبیات، شمارہ نمبر ۸۳، ۸۴۔ ص،۸۷

۳۴۔ ایضاً۔ ص،۸۸

۳۵۔ اسد اللہ خان، غالب، دیوان غالب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۰۱۔ ص،۱۰۷

۳۶۔ منیر نیازی، کلیات منیر۔ ص،۲۴۶

۳۷۔ ایضاً۔ ص،۳۲۶

۳۸۔ ایضاً۔ ص،۵۲۰

۳۹۔ ایضاً۔ ص،۵۵۱

۴۰۔ ایضاً۔ ص،۵۲۲

۴۱۔ ایضاً۔ ص،۲۰۷

۴۲۔ ایضاً۔ ص،۲۰۷

۴۳۔ ایضاً۔ ص،۶۲۲

۴۴۔ ایضاً۔ ص،۴۵۰

۴۵۔ ایضاً۔ ص،۴۴۶

۴۶۔ ایضاً۔ ص،۷۸۷

۴۷۔ ایضاً۔ ص،۴۴۰

۴۸۔ ایضاً۔ ص،۴۴۹،۴۴۸

۴۹۔ ایضاً۔ ص،۴۵۷

۵۰۔ ایضاً۔ ص،۴۵۲

۵۱۔ ایضاً۔ ص،۴۴۴

۵۲۔ ایضاً۔ ص،۵۱۲

۵۳۔ ایضاً۔ ص،۵۲۵